# قصص کے بیان میں قرآنی اسلوب

محمد اسلم☆

قرآن مجید بنیادی طور پر رشد و ہدایت کی کتاب ہے۔ جس کا مقصد نوع انسانی کو سیدھی راہ دکھانا اور انہیں صراط مستقیم پر گامزن کرنا ہے۔ اس جلیل مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اللہ نے قرآن میں وعظ و نصیحت ، ترغیب و ترہیب اور انعامات و احسانات کے انداز اپنائے اور کہیں سابقہ انبیاء کرام کے واقعات ذکر کئے۔ تا کہ اس کا قاری و سامع عظمت کے ان میناروں سے روشنی حاصل کرے۔ ساتھ ہی اقوام ماضیہ کی گمراہی و بے راہ روی کے قصے بھی درج کئے، تا کہ نور وظلمت کی کش مکش کا انجام واضح ہو اور خیر و شر میں امتیازات قائم ہوں۔ پیش نظر مضمون میں قرآنی قصص کے اصل مضامین کی بجائے اضافی پہلوؤں اور مخصوص طرز نگارش کو فکر کی جولا نگاہ بنایا ہے۔ تا کہ اس کے امتیازات وخصوصیات واضح کئے جائیں۔

## اسلوب نمبرا: حقیقت نگاری

قرآن کے بیان کردہ تمام قصص، حقائق پر مبنی ہیں۔ وہ کسی قسم کے خود ساختہ قصے، تراشیدہ افسانے یا تخیل کے کرشمے نہیں۔ جنہیں مخصوص مقاصد کیلئے کلی طور پر وضع کیا گیا ہو، یا کسی جزوی واقعہ کو بنیاد بنا کر فرضی عمارت کھڑی کر دی گئی ہو، بلکہ یہ قصص روئے ارض کے مختلف ملکوں میں ظہور پزیر ہونے والے حقیقی واقعات ہیں۔ جن کی تصدیق و تائید جدید سائنسی

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج بورے والا

تحقیق بھی کرتی ہے۔ مثلاً قرآنی بیان کے مطابق:

> مصر کے ایک حکمران فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کا تعاقب کیا اور اپنے لشکر سمیت سمندر میں ڈوب مرا۔ اس موقعہ پر قران نے پیش گوئی کی۔آج ہم تیرے جسم کو نجات دیں گے تا کہ تو پچھلے لوگوں کیلئے عبرت بنے۔ (۱)

اس واقعہ کی تصدیق سائنس نے اس طرح کی کہ انیسویں صدی کے آخر میں ایک فرعون کی تلاش دریافت ہوئی جس کے جسم پر سمندر کے کھاری پانی کے نمکیات موجود تھے اور اس کی ہڈیاں بھی شکستہ تھیں۔ غالباً گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔(۲) اس طرح سائنسی دریافت نے قرآنی واقعہ کی تصدیق کر دی۔

## طوفان نوح

حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے متعلق قرآن مجید کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ ایک خاص قوم پر آنے والا عذاب تھا۔ جیسا کہ نافرمان قوموں پر آنے والے عذاب مخصوص حالات میں آئے ۔ اس کے برعکس توراۃ کا بیان ہے کہ وہ عالم گیر طوفان تھا۔ مگر جدید سائنسی تحقیق کسی عالم گیر طوفان کو تسلیم نہیں کرتی، البتہ دریائے دجلہ و فرات کے دو آبیمیں ایک طوفان کو مانتی ہے کیونکہ اس کے اثرات اب تک موجود ہیں۔ (۳)

مذکورہ مثالوں سے دو باتیں واضح ہوئیں نمبرا۔ قرآنی قصص حقائق پر مبنی ہیں۔ نمبر۲۔ یہ قصص بائیبل وغیرہ سے منقول نہیں۔ اس کی مزید تائید مشہور مستشرق موریس بوکائلے کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ قرآن اور بائیبل میں بڑے اختلافات ہیں۔ یہ اختلافات اس دعویٰ کو غلط ثابت کرتے ہیں جس میں بغیر ذرا سی شہادت کے کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے قرآن کا متن پیش کرنے کیلئے بائیبل کی نقل کر ڈالی ۔(۴)

## اسلوب نمبر۲: سنجیدگی و متانت

کسی کلام و بیان کی عظمت و تقدس کا ایک تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس میں سنجیدگی و متانت کا جوہر موجود ہو پھر اگر وہ کلام، کلام الٰہی ہے تو اس میں سنجیدگی کا وصف علیٰ وجہ الکمال ہو۔ اس اعتبار سے اگر ہم قرآنی قصص پر غور کریں تو ڈھونڈنے سے بھی کوئی قصہ یا جزئیہ ایسا نہیں ملے گا جو شان کبریائی کے منافی ہو۔ اس کی ہر آیت خدائی تقدیس کا نغمہ اور اس کا ہر ہر فقرہ پیغمبرانہ عظمت کا زمزمہ ہے۔ ملائکہ کے فرائض کا بیان ہو یا نبیوں کے حالات، کفار کے واقعات ہوں یا دشمنوں کی سرگرمیوں کا ذکر، بتوں کی مذمت ہو یا ابلیس کی سرکشی کی کہانی، کسی بھی جگہ انداز بیاں میں گراوٹ ہے نہ عامیانہ پن۔ سنجیدگی و متانت کا ایسا تسلسل ہے کہ وقار و تحمل کا دامن کہیں چھوٹتا نظر نہیں آتا۔

اس کے برعکس بائیبل کا مطالعہ کریں تو اس میں جا بجا ایسے واقعات نظر آئیں گے جو ہتک آمیز اور حیا سوز ہیں۔ توراۃ نویسوں نے پیغمبرانہ عظمت تار تار کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ذات خداوندی کو بھی مطعون کیا مثلاً بائیبل کا بیان ہے:

> نوح کی اولاد نے بائیبل کے علاقے میں شہر اور برج بنائے۔ خداوند اس کو دیکھنے کو اترا۔ خداوند نے کہا دیکھو یہ لوگ سب ایک ہیں اور سبھوں کی زبان ایک ہے۔ وہ جو کرنے لگے ہیں ان سے باقی کچھ نہ چھوٹے گا۔ آؤ ہم وہاں جا کر ان میں اختلاف ڈالیں تا کہ وہ ایک دوسرے کی بات نہ سمجھ سکیں ..... پس خداوند نے ان کو روئے زمین پر پراگندہ کر دیا۔ (۵)

اس عبارت میں خدا تعالیٰ کو تجسیمی انداز میں پیش کیا جبکہ خدا کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ دیکھنے کیلئے زمین پر آئے۔ پھر انسانوں کے اتحاد سے خوفزدہ ہونا اور ان میں اختلاف پیدا کرنا شیطان کا کام ہے نہ کہ خدا کا وصف، مگر یہاں اس عمل کو بڑی دیدہ دلیری سے خدا کی طرف منسوب کر دیا۔

## حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ

طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے حالات کو بائیبل اس طرح پیش کرتی ہے۔ نوح کاشتکاری کرنے لگا اس نے انگور کا باغ لگایا، اس نے مئے پی۔ اسے نشہ آیا۔ وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہوگیا۔ کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا ..... پھر بھائیوں نے مل کر ڈھانپا۔ جب نوح کو ہوش آیا تو اس نے کنعان کو ملعون قرار دیا۔ (۶)

اس عبارت میں حضرت نوح پر تین الزامات ہیں ۔ ا۔ شراب پینا۔ ۲۔ برہنہ ہونا۔ ۳۔ کنعان کو بلاوجہ ملعون قرار دینا۔ کیونکہ اس نے باپ کو اتفاقاً برہنہ دیکھا تھا نہ کہ قصداً۔ لہٰذا وہ بے قصور تھا۔ پھر اس نے بھائیوں کو بلا کر باپ کو ڈھانپا۔ یہ تو اس کی نیکی تھی مگر اسے ملزم ٹھہرا کر اسے ملعون قرار دیدیا۔

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں کے حوالے سے واقعہ اس قدر شرمناک ہے۔(۷) کہ اس کا عدم ذکر ہی بہتر ہے یہ وہ واقعات ہیں جنہیں بائیبل نے پیش کیا، مگر چونکہ یہ بالکل بے بنیاد تھے، اس لیے قرآن میں ان کا نام ونشان تک موجود نہیں۔ اب ایک ایسے واقعے میں قرآن کی سنجیدگی اور بائیبل کے عامیانہ پن کا مشاہدہ کیجئے جو کہ دونوں میں موجود ہے، مگر انداز بیان میں نمایاں فرق ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا واقعہ بائیبل میں اس طرح ہے۔

تب فرعون نے یوسف کو بلا بھیجا ۔ سو انہوں نے قید خانہ سے باہر نکالا اور اس نے حجامت بنوائی اور کپڑے بدل کر فرعون کے سامنے آیا۔ (۸)

گویا حضرت یوسف علیہ السلام کو آزادی کی انتہائی تڑپ تھی۔ جونہی رہائی ملی خوشی سے پھولے نہ سمائے اور نہا دھو کر بادشاہ کے حضور پہنچ گئے۔ بلاشبہ عام انسانوں کی یہی کیفیت ہوتی ہے، مگر یوسف علیہ السلام تو نبی تھے۔ نبوت کا مقام بہت بلند ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ سے ملنے کے لیے بے قرار ہو۔ قرآنی بیان کے مطابق جب بادشاہ نے بلایا تو آپ نے قاصد

سے کہا کہ اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا۔ پہلے عورتوں کے اس معاملہ کی تحقیق کرائے (جس میں آپ پر الزام لگایا گیا تھا ) جب آپ کی بے گناہی ثابت ہو گئی تو پھر آپ بادشاہ کے پاس آئے۔ (۹) یعنی آپ نے عظمت کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلے الزام کا ازالہ چاہا۔ پھر بادشاہ سے ملاقات کی۔

## اسلوب نمبر۳: جامعیت

قرآن مجید گو تاریخ کی کتاب نہیں، مگر اس کا قصصی انداز تاریخی جامعیت کا حامل ہے۔ چنانچہ قرآن ان تمام واقعات پر مشتمل ہے جو اس کے نزول سے قبل جزیرۃالعرب اور اس کے اردگرد پیش آ چکے تھے۔ اگرچہ وہ واقعات اس کے بنیادی مقصد یعنی رشد و ہدایت سے ہم آہنگ تھے۔ ان قصص کا اجمالی تعارف اور زمانی ترتیب سے یہ ہے۔

### ا۔ قصہ آدم و ملائکہ اور ابلیس

یہ واقعہ جنت میں رونما ہوا۔ جس کی مکانی تعیین ہم قطعیت کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ اس قصے میں حضرت آدم کی خلافت، آپ کیلئے فرشتوں کا سجدہ، شیطان کا انکار اور تکبر کی وجہ سے اس کے ملعون ہونے کا ذکر ہے۔ (۱۰)

### ۲۔ قوم نوح

چھ عذاب زدہ اقوام میں سے اس کا تعلق دجلہ و فرات کے دوآبہ سے تھا۔ نوح علیہ السلام کی صدیوں کی تبلیغ کے باوجود شرک سے باز نہ آئی تو یہ لوگ طوفان کے عذاب سے تباہ ہو گئے۔

### ۳۔ قوم عاد

حضرت ھود علیہ السلام کی یہ قوم، مکہ اور یمن کے درمیان سکونت پزیر تھی۔ شرک اور جبر و تشدد کی پاداش میں زور دار آندھی کے عذاب سے تباہ ہوئی۔

## ۴۔قوم ثمود

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم خدائی نشان یعنی اونٹنی کے قتل کرنے سے چیخ کے عذاب سے برباد ہوئی۔ یہ قوم مدینہ سے ملک شام کی طرف راستہ میں آباد تھی۔

## ۵۔قوم لوط

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سرزمین اُردن یعنی بحیرہ مردار کی رہائشی تھی۔ امرد پرستی اور ڈاکہ زنی کے جرم میں فرشتوں نے ان کی بستی الٹ دی اور پھر پتھروں کی برسات کر دی۔

## ۶۔قوم شعیب

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم فلسطین سے متصل مقیم تھی۔ بعض نے اصحاب الایکہ بھی قرار دیا ہے۔ ناپ تول میں کمی، کاروبار میں بددیانتی کی وجہ سے کڑک کے عذاب سے برباد ہوئی۔

## ۷۔فرعون اور اس کی قوم

فرعون اور اس کی قوم مصر کی حکمران تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت، دعویٰ الوہیت اور بنی اسرائیل پر مظالم کی وجہ سے سمندر میں ڈوب مری۔ (۱۱)

## شخصیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید اور یونس علیہ السلام کی تبلیغ کا تعلق بابل یعنی ملک عراق سے تھا۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہماالسلام کی نبوت وحکومت کا تعلق فلسطین سے تھا۔ سورج کی پجاری ملکہ بلقیس یمن کے ملک سے آئی اور مسلمان ہوئی۔ عظیم فاتح ذوالقرنین کا وطن ملک ایران تھا۔ (۱۲) اپنے عقیدے کے تحفظ کی خاطر نماز میں پناہ لینے والے اصحاب کہف ایشیائے کوچک کے لوگ تھے۔(۱۳) حضرت ایوب علیہ السلام

ملک روم کے باشندے تھے۔ مکہ پر حملہ کے ارادے سے آنے والے ابرہہ کا تعلق حبشہ اور پھر یمن سے تھا۔ یہی علاقے قدیم زمانے میں انسانوں کا مسکن اور تہذیب و ثقافت کا مرکز تھے۔ انہی علاقوں سے نسل انسانی اٹھی اور دیگر علاقوں میں پھیلی۔

اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن نے جس طرح اپنی تعلیمات میں جامعیت اختیار کی اسی طرح تاریخ نگاری میں بھی علاقیت کی بجائے آفاقیت کا مظاہرہ کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

> ''اگر میں توراۃ کو بنی اسرائیل کی تاریخ کہوں تو اس میں پہلے تمہیدی باب کے بعد جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کے حالات بیان کئے ہیں، باقی سب چیزیں صرف بنی اسرائیل کی تاریخ ہیں۔ اسی طرح انجیل کو پڑھیں تو وہ ایک ہی شخص یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری ہے۔ اس کے برخلاف قرآن مجید نہ تو عرب کی تاریخ ہے اور نہ رسول اللہ کی سوانح عمری بلکہ سارے بنی آدم کی تاریخ ہے۔ قرآن میں بے شمار بادشاہوں، نبیوں اور قوموں کے قصے بیان کئے گئے ہیں۔'' (۱۴)

## اسلوب نمبر۴: تکرار

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دیگر تعلیمات کی طرح قصص میں بھی خاصا تکرار ہے مثلاً آدم و ابلیس کا قصہ سورہ بقرہ کے چوتھے رکوع، سورہ اعراف کے دوسرے رکوع، سورہ حجر کے تیسرے رکوع، سورہ بنی اسرائیل کے ساتویں رکوع، سورہ طٰہٰ کے ساتویں رکوع، اور سورہ ص ۴ کے آخری رکوع میں مذکور ہے۔ یعنی یہ قصہ چھ مقامات پر مذکور ہے۔ یہی صورت حال دیگر قصص کی ہے کہ وہ بھی متعدد مقامات پر بیان کئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر تکرار کی ضرورت اور حکمت کیا ہے؟

اس کے جواب میں متعدد توجیہات پیش کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ جس طرح قرآن مجید بذات خود رشد و ہدایت کی کتاب ہے۔ اسی طرح قرآنی قصص بھی اسی وصف کے حامل ہیں۔ وعظ و نصیحت میں تکرار کا ہونا ایک مسلمہ امر ہے۔ استاذ اپنے شاگرد کو محنت کی تاکید بار بار کرتا ہے۔ والدین اپنی اولاد کو عمر بھر نصیحت کرتے ہیں۔ حکومت اپنی ہدایات کا بار بار اعلان اور اشتہار دیتی ہے۔ قرآنی قصص کا تکرار بھی اسی انداز کا حامل ہے۔ کہ بار بار کی ترغیب و ترہیب کے ذریعہ آسمانی فرمودات کو انسانی اذہان میں مرتسم و منقش کیا جائے۔ پھر اس اتمام حجت کے بعد روز قیامت کسی شخص کے پاس عذر خواہی اور بہانہ تراشی کا کوئی موقعہ نہ رہے۔

یہ تکرار صرف قرآن میں ہی نہیں بلکہ سابقہ انبیاء کی دعوت و تبلیغ میں بھی موجود تھا۔ مثلاً نوح علیہ السلام کے متعلق علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔'' آپ طویل مدت تک اسے دہراتے رہے۔ جیسا کہ ارشاد باری واضح کرتا ہے کہ میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی۔ (۱۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کی صفات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہر لمحے اور ہر وقت بار بار ہوتی رہتی ہے۔ (۱۶) یعنی جس طرح کھانا بار بار ہوتا ہے۔ اسی طرح ہدایت بھی بار بار ہوتی ہے، کیونکہ ان تینوں چیزوں کو مضارع کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

## ۲۔ عرب شاعری کا مزاج

احمد حسن زیات لکھتے ہیں۔ عرب شاعری میں توارد افکار، اسلوب میں یگانگت اور تاثرات میں تشابہہ پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زہیر کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے۔

ما ارانا نقول الا معاراً

او معادا من لفظنا مکرراً (۱۷)

میں دیکھتا ہوں کہ ہم شاعری میں جو کچھ کہتے ہیں وہ یا تو مستعار ہوتے ہیں یا بار

بار کہے ہوئے مکرر الفاظ یعنی تکرار، عرب شاعری کا ایک معروف و متداول وصف تھا، وہ اس سے مانوس تھے اسی لیے قرانی تکرار پر انہوں نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ قرآن نے بھی اہل عرب کے اس مزاج کو ملحوظ رکھا۔

## ۳۔غرض و غایت کا فرق

قرآنی قصص میں بظاہر تکرار ہے، مگر ہر جگہ مقصود و مدعا کے اعتبار سے تفاوت ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ پہلے سورہ یونس میں بیان ہوا پھر سورہ ھود میں دوبارہ اس کا ذکر ہوا۔ امام رازی اس تکرار کی غرض و غایت لکھتے ہیں۔

> '' پہلی سورت کے مطابق کفار مکہ عذاب میں عجلت کا مطالبہ کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا کہ ان کی قوم بھی عذاب نہ آنے کی وجہ سے تکذیب کرتی تھی۔ مگر آخر کار عذاب آ گیا۔ یہی کچھ محمد ﷺ کے واقعے میں ہوگا۔ اس سورت (ھود) میں قصہ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں پر آلام و مصائب میں شدت اختیار کر رہے تھے۔ نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا۔ کہ کفار کی ایذا دہی ،نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بھی موجود تھی۔ لیکن صبر کی بدولت آپ نے فتح و کامرانی حاصل کی۔''(۱۸)

یعنی حضور علیہ السلام کی تسلی کیلئے اس جگہ قصے کو مکرر بیان کیا اور ساتھ ہی کامیابی کی بشارت بھی اشارتاً دے دی کہ نوح علیہ السلام کی طرح آپ بھی کامیاب ہونگے۔

دیگر مقامات میں سے سورہ انبیاء میں اس قصے کے بیان کا مقصد حضرت نوح علیہ السلام کی عظمت و رفعت واضح کرنا ہے۔ جبکہ سورہ نوح میں پیغمبر کی فریاد ہے جو آپ نے خدا تعالیٰ کے حضور پیش کی اور ساتھ ہی قوم کی تباہی کا بیان ہے۔

اس بحث کی مزید تفصیل قصہ آدم و ابلیس سے کی جاتی ہے۔ جو قرآنی قصوں میں

پہلا قصہ ہے اور وسیع تکرار کا حامل ہے۔

ا۔ سورہ بقرہ کے چوتھے رکوع میں اس قصے کا مقصد اللہ کی نعمتوں کا بیان ہے کہ آدم کو خلافت دی ، پھر علم دیا مسجود ملائک بنایا، جنت میں سکونت دی اور غلطی سرزد ہونے کے بعد معافی مانگنے پر توبہ قبول کی۔

ب۔ سورہ اعراف کے دوسرے رکوع میں قصہ کا مقصد شیطان کے پھسلانے کے طریقوں کو بیان کرنا اور قیامت تک اولاد آدم کے ورغلانے کے عہد سے آگاہ کرنا ہے۔

ج۔ سورہ فجر کے تیسرے رکوع میں حضرت آدم کی تخلیق کے مختلف مراحل کا بیان ، ابلیس کی تخلیق سے تقابل، پھر اس کو ملنے والی مہلت کا ذکر ہے۔

د۔ سورہ بنی اسرائیل کے ساتویں رکوع میں حضرت آدم کی بزرگی وعظمت پر ابلیس کا طنز، پھر اس کو دی گئی مہلت کا ذکر کہ اپنا سارا زور لگا کر دیکھ لے۔

ہ۔ سورہ کہف کے ساتویں رکوع میں اولاد آدم کے ضمیر اور غیرت کو جھنجوڑا گیا ہے کہ تم اپنے ایسے دشمن کی اتباع کرتے ہو، جس نے تمہارے باپ آدم کو جنت سے نکلوایا۔

و۔ سورہ طٰہٰ کے ساتویں رکوع میں جنت کی پر آسائش زندگی، آدم کے نسیان، اور شیطانی بہکاوے کے بعد ندامت کا ذکر ہے۔

ز۔ سورہ ص میں تخلیق آدم سے قبل ملاء اعلیٰ میں جھگڑا، تخلیق آدم کے بعد سجدے سے انکار کی وجہ پھر اللہ کی طرف سے ابلیس اور اس کے پیروکاروں سے جہنم کو بھرنے کا بیان ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک واقعہ کے مختلف اجزاء کو مختلف مقامات پر بکھیر دیا تا کہ غرض و غایت میں جدت پیدا ہو، اور وہ واقعہ کثیر الجہت بن جائے۔ جیسا کہ احمد حسن زیات لکھتے ہیں:

''بعض قصے مشابہہ اسباب و احوال یا بدعملی کے خوفناک انجام سے

ڈرانے کیلئے تاکیداً مکرر بیان ہوئے ہیں۔ طویل مدت، مختلف اوقات اور الگ مقامات میں نئے نئے مقاصد اور اغراض کے تحت نازل ہونے کی وجہ سے موضوع اور اسلوب کی وحدت باقی نہیں رہی۔ اور اس اعتبار سے قرآن مجید کا اسلوب، توراۃ و انجیل کے اسالیب سے مختلف ہے۔ (۱۹)

یعنی قرآن مجید کے تدریجی نزول، طویل دورانیہ، نیز حضور علیہ السلام اور کفار کے مختلف احوال کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے قصص کے اغراض بدلتے رہے۔

## ۴۔ حالات کا تبدل

پیغمبر کی طرف سے پہلے تبلیغ و تفہیم ہوتی ہے۔ یعنی ابتدائے نبوت میں بات نرمی سے پیش کی جاتی ہے اور مخاطب کو قائل کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ فرعون کی طرف جاؤ اور اسے تبلیغ کرو فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا۔ (۲۰) اس کے ساتھ نرمی سے بات کرو شاید وہ نصیحت پکڑے اور ڈر جائے۔

دوسرا مرحلہ تنبیہ یعنی ڈانٹ ڈپٹ کا ہوتا ہے۔ جس میں مخاطبین کو دنیوی اور اخروی عذاب سے ڈرایا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم سے مخاطب ہوتے ہیں۔ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ ..... (۲۱) کہیں ایسا نہ ہو میری مخالفت تم کو ان عذابوں کا مستحق بنا دے جو قوم نوح قوم ھود اور قوم صالح کو پہنچے ہیں۔

تیسرے مرحلے میں زجر و توبیخ ہوتی ہے۔ یعنی معاملہ اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ پیغمبر کی طرف سے تبلیغ کا سلسلہ ختم اور قوم کیلئے عذاب کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اس بحث کو اس طرح پیش کر سکتے ہیں کہ مخاطبین کے تین مرحلے ہوتے ہیں پہلے مرحلے میں ان کی طرف سے تحیر ہوتا ہے کہ توحید و رسالت کی اجنبی باتیں سن کر حیران ہوتے ہیں۔ کچھ نیک طینت افراد ایمان قبول کر لیتے ہیں۔ دوسرے مرحلے میں تنقید اور اعتراض کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ تیسرے مرحلے میں عناد، چیلنج اور طلب

عذاب کا مرحلہ آ جاتا ہے۔ مثلاً سورہ ھود کے تیسرے رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ہے۔ اس قصے کے آغاز میں کفار کا جواب دوسرے مرحلے سے تعلق رکھتا ہے ۔ چوتھے رکوع میں مذکور جواب تیسرے مرحلے سے تعلق رکھتا ہے۔ جبکہ سورہ نوح میں آپ کی تبلیغی زندگی کا نچوڑ ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قران نے کسی بھی واقعہ کو بظاہر تکرار مگر در حقیت متفرق انداز اور متعدد اسالیب سے پیش کر کے اپنے اعجاز کا مظاہرہ کیا۔ جس کی وجہ سے فصحائے عرب مبہوت ہوتے چلے گئے۔

## ۵۔ نفس مضمون میں فرق

بعض اوقات ایک طویل قصہ کی جزئیات الگ الگ کر دی جاتی ہیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصے میں تکرار سب سے زیادہ ہے۔ سورہ اعراف کے رکوع نمبر ۱۴ میں جادوگروں سے مقابلہ کا ذکر ہے یہ حصہ پورے قصے کی روح اور مغز ہے۔ کیونکہ یہ حق و باطل کی کش مکش کا نقطہ عروج تھا۔ یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عروج اور فرعون کا زوال شروع ہوا۔ پھر فرعون کی مسلسل ہٹ دھرمی اور اس کی بربادی کا بیان ہے۔ بعد ازاں حضرت موسیٰ کی خدا سے ہم کلامی اور بنو اسرائیل کی سرکشی کا ذکر ہے۔

سورہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ کی نبوت، فرعون سے مناظرہ ، جادوگروں سے مقابلہ، گئوسالہ پرستی کی وجہ سے بنو اسرائیل کی مذمت اور سامری کی ذلت کا بیان ہے۔

سورہ شعراء میں فرعون کی ہٹ دھرمی اور جادوگروں سے مقابلہ کا حصہ مکرر ہے ۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسا معرکہ تھا، جس کا چیلنج خود فرعون نے دیا تھا اور شکست فاش کھائی تھی۔

سورہ قصص میں حضرت موسیٰ کی ولادت ، ابتدائی زندگی کے حالات پہلی مرتبہ بیان ہوئے ہیں۔ نبوت ملنے کا واقعہ چونکہ اہم تھا اس لیے اس میں تکرار موجود ہے۔ دیگر سورتوں میں حضرت موسیٰ کا ذکر جزوی یا اشارتی انداز میں ہے۔

## ۶۔ الفاظ میں تنوع

سورہ اعراف میں مذکور موسیٰ و فرعون کے قصے کا قافیہ و ردیف ''ون ، ی ن'' ہے۔ سورہ طٰہٰ میں ''الف ممدودہ'' اور سورہ انشقاق میں ''ر'' ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ پہلی سورتوں میں قصص کا بیان تفصیلی انداز میں ہے۔ تا کہ واقعات کی مکمل وضاحت ہو جبکہ سورہ انشقاق مکی دور کی آخری سورتوں میں سے ہے۔ اس لیے اشارتی انداز اختیار کیا۔ مگر الفاظ اس قدر پر شکوہ لائے گئے کہ عربی داں قاری پر ہیبت طاری ہونے لگتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اب معاملہ اپنی انتہاء کو پہنچ گیا۔ (ملاحظہ ہو سورہ انشقاق کا تیسرا رکوع)

اسی سورہ قمر کے حوالے سے تکرار کا ایک انداز یہ ہے کہ ایک ہی آیت میں ایک ہی لفظ کا تکرا ہے۔ مثلاً كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنا۔(۲۲) اس آیت میں تکذیب کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے جو کہ بے فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر زمخشری نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ پہلی تکذیب مطلق ہے اور دوسری تکذیب مقید ہے۔ لہٰذا یہ تکرار بے فائدہ نہیں۔(۲۳)

تکرار کی اس غرض و غایت کو اس طرح بھی پیش کر سکتے ہیں کہ فہم وفکر کے اعتبار سے انسانوں کے تین درجے ہوتے ہیں۔ ا۔ فطین: جو محض اشارے سے بات سمجھ جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے مختصر اور اشارتی انداز کافی ہوتا ہے۔

۲۔ متوسط ذہن کے لوگ: جن کیلئے تفصیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔ عام لوگ: جو ضدی مزاج کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کیلئے مکمل وضاحت بھی ناکافی ہوتی ہے۔ اس لیے تکرار اور اعادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پیغمبر کا واسطہ زیادہ تر انہی لوگوں سے ہوتا ہے۔ لہٰذا تکرار ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر موسیٰ و فرعون کے واقعے میں سب سے زیادہ تکرار ہے۔ کیونکہ یہ حق و باطل کا زور دار معرکہ تھا۔

اگلے درجہ میں آدم و ابلیس، قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب کے

قصے ہیں۔ کیونکہ ان میں خیر و شر کی شدید جنگ تھی اور مخالفین یعنی رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کی تباہی بیان کرنا اہم مقصود تھا۔(۲۴) حضرت یحیٰی او رعیسیٰ کے قصے دو مرتبہ آئے ہیں۔ ایک مرتبہ مکی سورتوں میں اور ایک مرتبہ مدنی سورتوں میں۔(۲۵) یعنی مخاطبین الگ الگ ہونے کی وجہ سے قصوں کو دہرایا گیا ۔ حضرت یونس ، حضرت یوسف ، ذوالقرنین ، اصحاب کہف وغیرہ کے قصے تکرار سے خالی ہیں۔

## اسلوب نمبر ۵: تصنیفی ترتیب سے بے اعتنائی

آج کل ہم اپنی عمومی زندگی میں نظم و ضبط کے خوگر اور ربط و ترتیب سے مانوس ہیں۔ کسی بھی کتاب یا مضمون کا مطالعہ کریں تو اس میں مخصوص ترتیب وتبویب ہوتی ہے۔ اگر کسی جگہ بے ربطی نظر آئے تو طبیعت میں تکدر پیدا ہوتا ہے۔ ایسے ماحول کا عادی انسان جب قرآن کا مطالعہ کرتا ہے، تو اس انداز بیان میں روایتی قسم کی ترتیب نہ پا کر ذہنی خلجان میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس جگہ وہ ادبی و تصنیفی ترتیب کیوں نہیں۔

اس اشکال کو حل کرنے اور اس کی وجوہات معلوم کرنے کے لیے ہمیں جاہلی دور اور اس کے ادب کی طرف پلٹنے نیز اس کے ماحول کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ شاہ ولی اللہ کا قول ہے ۔ اگر تم رسول اللہ کی شریعت کے معنی چاہتے ہو تو سب سے پہلے عرب کے ان امیوں کے حالات پر غور کرو جن میں رسول اللہ کی بعثت ہوئی تھی اور جن کے مادہ اور عادات میں شریعت اسلامیہ کی تشریح ہوئی تھی ۔ (۲۶)

عرب کے لوگ ایسی زمین کے باشندے تھے، جہاں ہر طرف صحراء اور پہاڑ تھے۔جن میں اگنے والے درخت قطار بندی کی صفت سے آزاد ہوتے ہیں۔ ان کے خود رو پودوں کی بے ترتیبی ہی حسن فطرت کی عکاسی کرتی ہے۔ کوہساروں کی بلندیاں اور گھاٹیاں کسی قانون کی پابند نہیں ہوتیں۔ نظم و ضبط کا متلاشی انسان ان کے پیچ وخم کے اصول متعین نہیں کر سکتا۔ بلکہ فطرت کی آزادی ہی کو اصول قرار دیکر اس کے حسن کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا

ہے۔عرب کے لوگ بھی اسی مزاج میں رنگے ہوئے تھے۔ کیونکہ کسی بھی علاقے کی آب و ہوا اس کے مکینوں کی فطرت اور مزاج پر اثر انداز ہوتی ہے۔ پھر ان کی ذہنی صلاحیتوں کو بھی اپنے قالب میں ڈھال لیتی ہے۔ بلاشبہ ترتیب میں پابندی ہوتی ہے۔ جبکہ عرب لوگ آزاد منش انسان تھے۔ وہ تو میدان جنگ میں بھی صف بندی نہ کرتے۔ اسلام نے پہلی مرتبہ جنگ بدر میں انہیں صف بندی سے روشناس کرایا تھا۔(۲۷) یہ ان کا جاہلی دور تھا جبکہ ان کے پاس علم وفضل ،منطق و فلسفہ کا کوئی کلیہ نہ تھا۔ ان حالات میں انہوں نے جو شاعری کی ہم اور ہم تک پہنچی۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ

> اس میں منطقی طریقوں اور طبعی تقاضوں کے مطابق ترتیب وتسلسل افکار پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ چنانچہ معانی و مضامین کا باہمی ربط بہت کمزور ہوتا ہے۔ شعروں کی ترتیب بے جوڑ اور ڈھیلی ہوتی ہے۔ حتی کہ اگر شعروں کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر کر دی جائے یا بعض شعروں کو بالکل حذف کر دیا جائے تو بھی کوئی کمی یا خامی معلوم نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دیہاتی فطرتاً فلسفیانہ نظر نہیں رکھتے۔ ان کی نظر میں تمام اشیاء و حوادث ایک دوسرے سے الگ اور بے تعلق ہوتے ہیں۔ جنہیں کوئی رشتہ نہیں ملاتا۔ یہی سبب ہے کہ عرب ادیبوں کے نزدیک شاعروں کو پرکھنے کا معیار ایک ایک شعر ہوتا نہ کہ پورا قصیدہ۔''(۲۸)

عرب شاعری پر یہ ایک مختصر اور جامع تبصرہ ہے۔ جس سے انکا مزاج کافی حد تک واضح ہو جاتا ہے ۔ اس مزاج کی مزید تشریح کیلئے ایک قصیدے کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو جائے۔ زہیر بن ابی سلمٰی ایک مشہور عرب شاعر ہے۔ جس کا شمار جاہلی دور کے تین چوٹی کے شعراء میں ہوتا ہے۔ سبعہ معلقات میں اس کا بھی ایک قصیدہ شامل ہے۔

## تجزیہ

اس قصیدے میں وہ عرب شاعری کی روایت کے مطابق پہلے تشبیب کرتا ہے۔ پھر اس سے گریز کر کے اپنے ممدوحوں حارث بن عوف اور ہرم بن سنان کی تعریف کرتا ہے کہ انہوں نے اپنے حسن تدبر سے جنگ کو روک لیا۔ بعد ازاں مدح سے ہٹ کر لڑنے والی جماعتوں یعنی عبس و ذبیان کو صلح کی طرف مائل کرتا ہے۔ پھر جنگ کے ہولناک نتائج بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد اپنے ممدوحوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کے گن گانے لگتا ہے۔ آخر میں موت کی حقیقت اور اس کے مناظر بیان کرنے کے ساتھ پند ونصائح کرتے ہوئے قصیدہ ختم کر دیتا ہے۔ (۲۹)

مذکورہ بالا قصیدے کے ربط و ترتیب کو ذہن میں رکھئے اور پھر قرآن مجید کی کسی سورت مثلاً سورہ کوثر کی آیات میں باہمی ربط پر غور کیجئے، تو معلوم ہوگا کہ قرآنی ترتیب میں عرب شاعری کا مزاج کس حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس مفہوم کی توجیہہ ابن خلدون نے یہ کی ہے:

> ''شاعر ہر شعر کو مستقل بنا کر قصیدے میں داخل کرتا ہے۔ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف اس خوبصورتی سے نکلتا ہے کہ پڑھنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ یعنی پہلے مضمون کی اس طرح تمہید باندھتا ہے کہ دوسرے مضمون کے مناسب معلوم ہو۔ جب یہ مناسبت پیدا ہو جاتی ہے تو پہلا مضمون چھوڑ کر دوسرا مضمون اختیار کر لیتا ہے۔''(۳۰)

عرب شعراء اور ان کے کلام کی باہمی ترتیب پر تبصرہ کے بعد اب قرآنی ربط و ترتیب کے متعلق سید ابو الاعلیٰ مودودی کی رائے پڑھئے:

> ''ایسی کتاب میں تصنیفی ترتیب نہیں ہو سکتی، جو ڈاکٹریٹ کی ڈگری لینے کیلئے مقالے میں اختیار کی جاتی ہے۔ پھر اس دعوت کے ارتقاء کے

ساتھ ساتھ قرآن کے جو چھوٹے اور بڑے حصے نازل ہوئے وہ بھی رسالوں کی شکل میں شائع نہیں کیے جاتے تھے۔ بلکہ تقریروں کی شکل میں بیان کیے جاتے اور اسی شکل میں پھیلائے جاتے۔ اس لیے ان کا اسلوب بھی تحریری نہ تھا، بلکہ خطابت کا اسلوب تھا۔ پھر یہ خطابت بھی ایک پروفیسر کے لیکچروں کی سی نہیں بلکہ ایک داعی کے خطبوں کی سی تھی۔ جسے دل' دماغ اور جذبات ہر ایک کو اپیل کرنا ہوتا ہے۔''(۳۱)

یعنی قرآن چونکہ مختلف احوال اور مختلف مواقع پر نازل ہوا۔ اس لیے اس کی آیات میں گہرا ربط تلاش کرنا عقیدتمندانہ کوشش ہے۔ جو لوگ اس قسم کے ربط کو تلاش کرنے کے درپے ہوتے ہیں، بلکہ کئی اقسام کے ربط ڈھونڈلاتے ہیں وہ تکلف کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت، عرب ادباء کے ہاں مسلمہ بلکہ معجزہ تھی۔ تو پھر ہمیں ان کے طبعی ذوق و وجدان سے ہٹ کر نئی راہیں تلاش کرنے اور ایسے تکلفات میں پڑنے کی ضرورت نہیں جو عرب کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں۔

قرآن بنیادی طور پر وعظ و نصیحت کی کتاب ہے۔ اس کی تمام تعلیمات اور قصص کا مرکز محور بھی یہی وعظ و تذکیر ہے۔ جس طرح ایک اچھا استاذ، تدریس کے ساتھ ساتھ کردار سازی بھی کرتا ہے۔ دوران تعلیم جونہی اس کو نصیحت آموزی کا موقعہ ملتا ہے وہ روئے سخن ادھر موڑ لیتا ہے۔ وعظ و نصیحت کے بعد پھر اصل مضمون کی طرف پلٹ آتا ہے۔ ایسا استاذ مضمون کے تسلسل کو کردار سازی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بناتا۔ اسی طرح قرآنی آیات میں غور کریں کہ ایک مضمون چل رہا ہے اور موقعہ بموقعہ موعظت بھی جاری رہتی ہے۔

## مستشرق ولیم میور کا تبصرہ

تصنیفی ربط و ترتیب سے قرآن کی بے اعتنائی پر معروف مستشرق ولیم میور کا ایک

بصیرت افروز تبصرہ بھی قابل ذکر ہے:

''قرآن کی ترتیب خود اس کی شاہد ہے کہ جامعین نے پوری دقت نظر کا لحاظ رکھا۔ اس کی مختلف سورتیں اس سادگی سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر دی گئیں، جن کی ترتیب دیکھ کر کسی تصنیفاتی تکلف کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ جو اس امر کا بین ثبوت ہے کہ جامعین قرآن میں تصنیف کی شوخی سے زیادہ ایمان اور اخلاص کا جذبہ کارفرما تھا اور اسی ایمانی ولولے میں وہ نہ صرف سورتوں بلکہ آیتوں کی ترتیب میں بھی تصنع سے اپنا دامن بچائے ہوئے نکل گئے۔''(۳۲)

اگر ترتیب میں تصنیف کی شوخی اور ربط کا اہتمام ہوتا، تو اشکال پیدا ہوتا، کہ اہل عرب امی ہونے کی وجہ سے یہ ترتیبی انداز قائم نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا یہ ترتیب، کسی دوسری قوم یعنی روم یا یونان سے اخذ کردہ ہے یا کم از کم ان سے متاثر ہے۔ اس طرح یہ بات قرآن پر طعن بن جاتی۔ مگر موجودہ صورت میں ۱۳۰۰ سال بعد جب ایک مستشرق قرآن کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتا ہے تو قرآن کی یہ غیر تصنیفی ترتیب اس کے غیر محرف اور غیر متاثر ہونے کی دلیل بن جاتی ہے۔ سبحان اللہ العظیم۔

## ترتیب شکنی

قرآن مجید میں ربط و ترتیب سے بے اعتنائی کا دوسرا انداز یہ ہے کہ قرآن اپنے قصص میں قصداً ترتیب شکنی کرتا ہے۔ مثلاً قرآن میں چھ عذاب زدہ قوموں کا بکثرت تذکرہ ہے۔ جن کی ترتیب زمانی یہ ہے۔ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، قوم شعیب اور موسیٰ و فرعون کا قصہ۔ اکثر مقامات پر ان کا بیان اسی ترتیب کے ساتھ ہے۔ مثلاً سورہ اعراف، سورہ ہود، سورہ قمر وغیرہ، تاہم سورہ شعراء میں موسیٰ و فرعون کا قصہ سب سے مقدم کر دیا حالانکہ زمانی اعتبار سے وہ سب سے مؤخر تھا۔

ترتیب شکنی کا تیسرا انداز ہے کہ ایک ہی قصہ کے مختلف اجزاء کو مقدم و مؤخر کر دیا جائے۔ مثلاً ذبح گائے کا واقعہ ہے کہ بنو اسرائیل میں ایک شخص قتل ہوگیا۔ قاتل معلوم نہ ہو سکا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قاتل معلوم کرنے کیلئے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ مگر وہ لوگ اس حکم کی تعمیل میں حیل و حجت کرنے لگے۔ کچھ بحث وتمحیص کے بعدگائے ذبح کی۔ پھر آپ کے حکم کے مطابق اس گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم کے ساتھ لگایا تو اس نے زندہ ہوکر اپنے قاتل کا نام بتلا دیا۔

قرآن نے یہ قصہ بیان کرتے وقت درمیانی حصہ کو مقدم کر دیا۔ ابتدائی اور آخری حصہ کو مؤخر رکھا۔ اس پر علامہ آلوسی کا یہ تبصرہ ہے فَكَّ بَعْضَهَا وَقَدَّمَ ..... قصہ کا ایک حصہ الگ کر کے اسے مقدم کر دیا۔ کیونکہ یہ ان کی مستقل برائی تھی۔ جس سے آگاہ کرنا مقصود تھا۔ یعنی حکم الٰہی کے ساتھ استہزاء کرنا، سوال میں انتہاء پسندی کرنا اور تعمیل حکم میں ٹال مٹول کرنا۔ اگر یہ قصہ مسلسل بیان ہوتا تو دوشاخہ نہ بنتا۔ (۳۳)

اسی قسم کی دوسری مثال قوم نوح کا قصہ ہے ۔سورہ ہود کے چوتھے رکوع میں اس کی تباہی کا بیان ہوا، ہلاکت بیان کرنے کے بعد اس کے درمیانی حصہ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کیلئے نجات کی سفارش اور اس درخواست کی نامنظوری کو مؤخر کر کے بیان کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ خدا کے ہاں پیغمبر کی سفارش اس کے بیٹے کے حق میں منظور نہیں ہوئی۔(۳۴) تو پھر اور جگہ کس طرح منطو ہوسکتی ہے ۔ قرآن کریم کی یہ اہم تعلیم، قصہ کے اس حصہ کو الگ الگ کر کے ہی نمایاں ہوسکتی تھی۔ ورنہ قصہ کو مسلسل بیان کرنے سے یہ اہم مقصد ، اس کے تسلسل اور روانی میں دب جاتا اور اس اہم تعلیم کی طرف کماحقہ التفات نہ ہوتا۔

## اسلوب نمبر ۶: جنگی وقائع سے گریز

قرآنی قصص جنگی وقائع سے پاک ہیں، حالانکہ اس کے نزولی دور اور ماحول کا

تقاضا تھا کہ اس میں جنگی واقعات کا ذکر بکثرت ہوتا، کیونکہ اس قرآن کے اولین مخاطب عرب تھے۔ جن کی شناخت ہی قتل و غارت اور لوٹ مار تھی۔ جیسا کہ عربی ادب یعنی شعری قصائد سے واضح ہوتا ہے، کہ وہ جنگی واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ مگر جب قرآن کریم اس قوم میں نازل ہوتا ہے۔ تو وہ جنگ وجدل کے واقعات کی بجائے، پیغمبروں کی تبلیغی مساعی اور امتوں کی ہٹ دھرمی کے واقعات کا انتخاب کرتا ہے، پھر اخلاقیات و معاشرت کے اصول پیش کرتا ہے۔

قرآن مجید جنگی واقعات سے اس قدر گریز کرتا ہے کہ پورے قرآن میں جنگی ہتھیاروں یعنی تلوار اور نیزے وغیرہ کا نام تک موجود نہیں۔ سارے قرآن میں جنگ کا صرف ایک واقعہ ہے۔ یعنی طالوت اور جالوت کی جنگ۔ اس میں جنگ سے متعلق صرف اس قدر بات ہے کہ اللہ کے حکم سے انہوں نے دشمن کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔(۳۵) مار دھاڑ کے واقعات، جنگی جزئیات، تکبر و نخوت پر مبنی تاثرات کا نام و نشان تک موجود نہیں۔

دوسرے نمبر پر ذوالقرنین کا قصہ ہے۔ جو کہ دنیا کا پہلا عظیم فاتح تھا، مگر قرآن میں اس کے سفروں کا ذکر ہے، جنگ و حرب کا نہیں۔

اس جگہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ آلات حرب میں سے قرآن نے گھوڑے کا ذکر کیا۔ (۳۶) جو کہ آج بھی انسان کی سواری ہے مگر گھوڑا بذات خود جنگی ہتھیار نہیں بلکہ ثانوی درجہ میں ہے۔ جبکہ تلوار وغیرہ حقیقتاً جنگی ہتھیار تھے۔ گو اب متروک ہو چکے ہیں۔

ایسی صورت میں اسلام کو تلوار کا مذہب قرار دینا، مضحکہ خیز الزام ہے اور جو لوگ اسلام پر یہ اتہام رکھتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، انہیں چاہیے کہ وہ اپنے رویہ کو تبدیل کریں۔ اگر اسلام جنگ وجدل کا مذہب ہوتا تو قتل و غارت پر مبنی واقعات پیش کر کے اپنے متبعین کا خون گرماتا اور میدان جنگ میں اتارتا۔ مگر قرآن نے قصص سے اعراض کر کے

اپنے حقیقی مزاج کا اظہار کیا کہ وہ جنگ وحرب کا نہیں بلکہ امن وآشتی کا مذہب ہے۔

اشکال: اگر قرآن کے متعلق تمہارا نظریہ تسلیم کر لیں تو سوال یہ ہے کہ پھر صاحب قرآن کی زندگی جنگ وحرب سے کیوں بھر پور ہے؟

جواب یہ ہے کہ 13 سالہ مکی زندگی میں مسلمان کمزور اور مظلوم رہے۔ انہیں قتال کی ممانعت تھی۔ مدینہ آنے کے بعد دفاع کا حق دیا گیا۔ صلح حدیبیہ تک کفار مکہ کے خطرات رہے۔ پھر روم کے خطرات منڈلاتے رہے۔ ان حالات میں جنگ کرنا اور ہمہ وقت چوکس رہنا ان کی زندگی و بقا کیلئے ضروری تھا۔ لہٰذا یہ غزوات اس دور کے تقاضے تھے۔

## موازنہ

قرآنی تعلیمات اور اس کے اس اسلوب کا موازنہ دیگر مذہبی کتب سے کریں تو واضح فرق معلوم ہوگا۔ مثلاً بائیبل میں جنگ وحرب کے وسیع واقعات ہیں۔ ہندو مذہب کی کتب کو دیکھیں تو مہا بھارت کا بڑا حصہ جنگی واقعات سے لبریز ہے۔ رامائن کا مطالعہ کریں تو اس کا ۳/۴ حصہ جنگی وقائع پر مشتمل ہے۔ یہاں تو بندروں اور سانپوں کو بھی دشمن کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کیا گیا ہے۔ (۳۷) یعنی یہ جانور انسانوں کی جنگی بھٹی کا ایندھن بنتے ہیں۔

## اسلوب نمبر۷: توہم پرستی سے پاک

زمانہ قدیم سے جنوں، پریوں کی کہانیاں، ارواح خبیثہ کے قصے، بلاؤں اور چڑیلوں کے افسانے نیز آسیب زدگی کے واقعات نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ قدیم دور کے لوگ ان کی مافوق الفطرت حیثیت و قدرت سے نہ صرف مرعوب تھے، بلکہ بعض اوقات ان کے عتاب سے بچنے اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی اولاد کو بھی ان کی بھینٹ چڑھا دیتے۔ آج علم کی روشنی نے ان خیالات کو توہم قرار دیکر مسترد کر دیا۔ تاہم یہ واقعات آج بھی مختلف ادبی و مذہبی کتب کا حصہ ہیں۔ اس لیے یہ واقعات خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر

دوسری طرف انسانی عظمت کیلئے زہر ہلاہل ہیں۔ مثلاً توراۃ کی تعلیم ہے:

''اگر کسی گھر میں کوڑھ کی بلا ہو تو کاہن اس گھر کو سات دنوں کیلئے بند کر دے۔ اس مکان کی دیواریں چھیل دے۔ پہلے پتھروں کی جگہ نئے پتھر لگا دے۔ اگر پھر بھی بلا نہ نکلے تو تمام گھر کو جلا دے۔'' (۳۸)

گویا بلا کا وجود تسلیم کر لیا گیا اور پھر اس کیلئے نہایت مہنگا اور مشکل علاج تجویز کیا کہ تمام گھر جلا ڈالے اس طرح انجیل میں بھی بد روحوں کا ذکر ہے اور ان کے سردار کا نام بھی باقاعدہ ہے۔ یعنی بعلزبول. (۳۹) ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں کہ لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس کسی شخص کو اس غرض سے لائے کہ اس کے اندر موجود بد روح کو نکالیں۔ (۴۰)

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو قرآن کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ چودہ سو سال قبل ایسے ماحول میں نازل ہوا۔ مگر اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہیں کیا جو توہم پرستی کی بنیاد بنے۔ اس کے برعکس انسانی عظمت و وقار کو سربلند کرنے والے متعدد واقعات موجود ہیں۔ مثلاً حضرت آدم کیلئے منصب خلافت، پھر ملائکہ کا سجدہ کرنا وغیرہ۔

توہم پرستی کی ایک شکل یہ تھی کہ جانوروں کے ساتھ عقیدت قائم کر کے ان کو متبرک خیال کرتے۔ جیسا کہ قدیم مصری تہذیب کی تردید کیلئے قران میں ذبح گائے کا قصہ ہے۔(۴۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ گائے تمہارے لیے مقدس نہیں بلکہ تمہاری خدمت گزاری کیلئے تخلیق ہوئی ہے۔ لہٰذا تم اسے ذبح کر کے اپنا مقصد حاصل کرو نہ کہ اسے مقدس و متبرک قرار دیکر اس کے آگے جبین نیاز خم کرو۔

ہندو مذہب میں تو بندروں اور سانپوں کے ساتھ بھی عقیدت پائی جاتی ہے۔ جبکہ قرآن نے ایسی عقیدت کا راستہ ہمیشہ کیلئے اس طرح بند کر دیا کہ نافرمان قوم کو بطور عذاب بندروں کی شکل میں مسخ کیا اور بندروں کو ذلیل مخلوق سے تعبیر کیا۔ (۴۲)

## اسلوب نمبر ۸: تحیر و اعجاز

زمانہ ماضی سے انسان کی یہ فطرت چلی آ رہی ہے کہ وہ تحیر سے بھر پور واقعات کو خصوصی توجہ سے پڑھتا اور سنتا ہے۔ یہ تحیر جس قدر زیادہ ہوتا ہے، قاری کیلئے اسی قدر زیادہ کشش ہوتی ہے۔ پھر یہ تحیر اگر حد سے زیادہ بڑھ جائے اور مافوق الفطرت حد تک پہنچ جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر اس کا صدور دنیا دار انسان سے ہو تو اسے سحر اور جادو وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اگر اس کا صدور نبی یا صالح انسان سے ہو تو اسے معجزہ و کرامت کہتے ہیں۔تاریخ کے دفتر میں اس قسم کے واقعات اتنی کثرت سے موجود ہیں کہ انہیں جھٹلانا مشکل ہے۔ گو عقل پرست انسان ان واقعات کو یا تو تسلیم ہی نہیں کرتا یا ان کے مفاہیم و مطالب میں ایسی تاویلات کرتا ہے کہ تحقیق کے نام پر تخریب اور تشریح کی بجائے تحریف ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب الفاظ کو ان کے معانی اور محاورات سے ہٹا کر یا سیاق و سباق سے چھین کر نیا مطلب دیا جائے گا تو حقیقت مسخ ہو جائے گی۔

سماوی کتب میں مذکور مافوق الفطرت قسم کے یہ واقعات جادو یا طلسم نہیں۔ کیونکہ قرآن اور بائیبل دونوں میں ان کی حرمت کا حکم موجود ہے۔ لہٰذا یہ واقعات خدائی نشانات ہیں، جن کا مقصد مذہبی رہنماؤں کی صداقت و عظمت کو آشکار کرنا ہوتا ہے۔ بالخصوص انبیاء کے معجزات میں ایسا چیلنج ہوتا ہے کہ دیگر لوگ اس کی مثل لانے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حق کے غلبہ سے ذہنوں کے بند دریچے کھل جائیں اور ہدایت کی کرنیں تعصب و خود غرضی کے پردے چیر ڈالیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے مقابلہ میں ہوا کہ جادوگر شکست کھا کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔

بہر حال قرآن اور دیگر سماوی کتب میں اس قسم کے متعدد واقعات موجود ہیں۔ جن میں سے بعض کا تعلق ارتقاء سے ہے اور بعض کا ارتجاع سے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا

معجزہ ہے کہ لاٹھی سانپ بن گئی۔ یہ ایک درجہ کا ارتقا ہے۔ یعنی ماہرین حیاتیات کے مطابق زندگی میں بتدریج ارتقا ہوا ہے۔ پہلے نمبر پر جمادات یعنی پتھر، پھر نباتات، پھر حیوانات اور پھر انسان، تو لاٹھی کا سانپ بننا، یعنی نباتات سے حیوانات میں آنا ایک درجہ کا ارتقا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ مٹی سے پرندے بنانا دو درجے کا ارتقاء ہے۔ یعنی جمادات سے نباتات اور پھر حیوانات۔ جبکہ مردوں کو زندہ کرنا، بیماروں کو شفا بخشنا تحیر کی کم تر مثالیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے یہ معجزات بائیبل میں بھی موجود ہیں۔ جس سے قرآن کی موافقت ظاہر ہوتی ہے۔

قرآن میں ارتجاعی قسم کا بھی ایک واقعہ ہے کہ سبت کی بے حرمتی کرنے پر کچھ یہودی لوگ بندوں کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔(۴۳) انسان سے حیوان کی طرف پلٹنا ایک درجہ کی واپسی ہے۔ جسے ارتجاع کہا گیا ہے۔ مچھلی کا حضرت یونس علیہ السلام کو اگلنا زیادہ حیرتناک نہیں کیونکہ خوفزدگی کے وقت مچھلی اپنا شکار یعنی لقمہ اگل دیتی ہے۔

ملکہ بلقیس کے تخت کا یمن سے فلسطین میں سکینڈوں میں آ جانا بھی ناممکنات میں سے نہیں کیونکہ تیز رفتاری کی کوئی حد نہیں۔

دیگر کتب کو دیکھیں تو قرآن کی نسبت ان میں کہیں زیادہ حیرتناک واقعات موجود ہیں۔ مثلاً بائیبل میں حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ ہے کہ نزول عذاب سے قبل آپ ہجرت کر گئے۔

آپ کی بیوی پیچھے دیکھنے کی وجہ سے نمک کا ستون بن گئی۔ (۴۴) یہ تیسرے درجہ کا ارتجاع ہے یعنی انسان سے حیوان، پھر نباتات پھر جمادات تک واپسی ہے۔

اسی طرح ہندو مذہب میں قصہ ہے گھوڑا پتھر بن گیا۔ (۴۵) یہ دو درجہ کا ارتجاع ہے۔ زیادہ عجیب اور حیران کن واقعہ یہ ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے خوبصورت لڑکی اور لڑکے کی پیدائش ہوتی ہے۔ (۴۶) حیرانی کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح تو مچھلی انسانوں کی ماں ٹھہرتی

ہے اور اس کا تقدس و احترام لازم ہو جاتا ہے۔

قرآن اور دیگر کتب کے ان واقعات میں دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن کے بیان کردہ ارتقاء و ارتجاع کے یہ واقعات مستقل نوعیت کے نہیں، بلکہ عارضی یعنی کچھ وقت کیلئے تھے۔ مثلاً حضرت موسیٰ کا عصا مستقل طور پر سانپ نہیں بنا، بلکہ اس کی یہ کیفیت کچھ لمحوں کیلئے ہوتی۔ یوم سبت کی بے حرمتی کرنے پر بندر بننے والے بھی صرف تین تک زندہ رہے اور پھر فوت ہوگئے۔ اس لیے قرآن مجید پر عقلیت پسندوں کا اعتراض کمزور ہو جاتا ہے۔

# حواشی

(۱) سورہ یونس، ۹۰

(۲) بائیبل قرآن اور سائنس، ۳۸۸

(۳) ایضاً ۳۴۹

(۴) بائیبل قرآن اور سائنس، ۴۰۲

(۵) بائیبل پیدائش ۹ ـ ۱۱

(۶) بائیبل، پیدائش، ۹ـ ۲۵

(۷) " " ۱۹ـ ۳۴

(۸) بائیبل پیدائش، ۴۱

(۹) سورہ یوسف، ۵۱

(۱۰) سورہ بقرہ رکوع نمبر ۴

(۱۱) تفہیم القرآن سورہ اعراف، متعلقہ مقامات،

(۱۲) تاریخ ابنِ خلدون متعلقہ مباحث

(۱۳) تفہیم القرآن سورہ کہف آیت نمبر ۱۶

(۱۴) خطبات بہاولپور، ۲۰۴

(۱۵) روح المعانی زیر آیت سورہ نوح، ۶

(۱۶) تفسیر کثیر زیر آیت سوہ شعراء، ۷۸

(۱۷) تاریخ ادب عربی، ۷۸

(۱۸) تفسیر کبیر زیر آیت سورہ ھود ، ۳۹

(۱۹) تاریخ ادب عربی ، ۱۵۹

(۲۰) سورہ طٰہٰ ، ۴۴

(۲۱) سورہ ھود، ۸۹

(۲۲) سورہ قمر، ۹

(۲۳) تفسیر کشاف زیر آیت مذکورہ بالا

(۲۴) روح المعانی ، سورہ یوسف ، ۱۷۹

(۲۵) ایضاً " " " ، ۱

(۲۶) حجۃ اللہ البالغہ ، ۱:۳۲۵

(۲۷) البدایہ والنہایہ، ۳ : ۳۴۹

(۲۸) تاریخ ادب عربی، ۷۹

(۲۹) تاریخ ادب عربی، ۱۱۷

(۳۰) مقدمہ ابن خلدون، ۲:۵۰۱

(۳۱) تفہیم القران مقدمہ، ۲۵

(۳۲) دی لائف آف محمد، ۳۵

منقول از حیات محمد ، محمد حسین ہیکل ، ۸۱

(۳۳) روح المعانی زیر آیت سورہ بقرہ ، ۳۷

(۳۴) تفہیم القرآن ، سورہ ہود ، ۴۶

(۳۵) سورہ بقرہ، ۲۵۱

(۳۶) سورۃ الحج، ۳۹

(۳۸) رامائن ، ۱۱۴

(۳۹) بائیبل ، احبار، ۱۴_۴۴

(۴۰) انجیل لوقا، ۱۱_۱۴

(۴۱) انجیل متی، ۱۵_۲۶

(۴۲) سورہ بقر، آیت نمبر ۷۱

(۴۳) سورہ بقرہ، ۶۵

(۴۴) سورہ بقرہ، ۶۵

(۴۵) بائیبل پیدائش، قصہ لوط

(۴۵) مہا بھارت، ۲۵۰

(۴۶) مہا بھارت، ۳۰

# مراجع و مصادر


۱۔ آلوسی، ابو الفضل محمود شہاب الدین، روح المعانی، مکتبہ رشیدیہ، لاہور

۲۔ ابن جریر، ابوجعفر محمد بن جریر طبری، جامع البیان عن تاویل القرآن، مصر

۳۔ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، تاریخ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، لاہور

۴۔ ابن کثیر، عماد الدین، ابو الفداء، اسماعیل بن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، القاہرہ، مصر

۵۔ احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، شیخ غلام علی، لاہور

۶۔ حمید اللہ، ڈاکٹر فرانسیسی، خطبات بہاول پور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد،

۷۔ رازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)، مکتبہ قاہرہ

۸۔ زمخشری، محمود بن عمر الخورزمی، الکشاف عن حقائق التنزیل، مطبع الاستقامہ، قاہرہ

۹۔ فرحت منشی، مہابھارت (منظوم)، مطبع منشی نول کشور مقام کان پور

۱۰۔ طوطا رام، رامائن مطبع منشی نول کشور مقام کان پور

۱۱۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

۱۲۔ ولی اللہ، شاہ، حجۃ اللہ البالغہ، سہیل اکیڈمی، لاہور

۱۳۔ ولیم میور، دی لائف آف محمد، منقول از حیاۃ محمد، محمد حسین ہیکل مصری
ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

۱۴۔ کتاب مقدس، (بائیبل) بائیبل سوسائٹی، لاہور